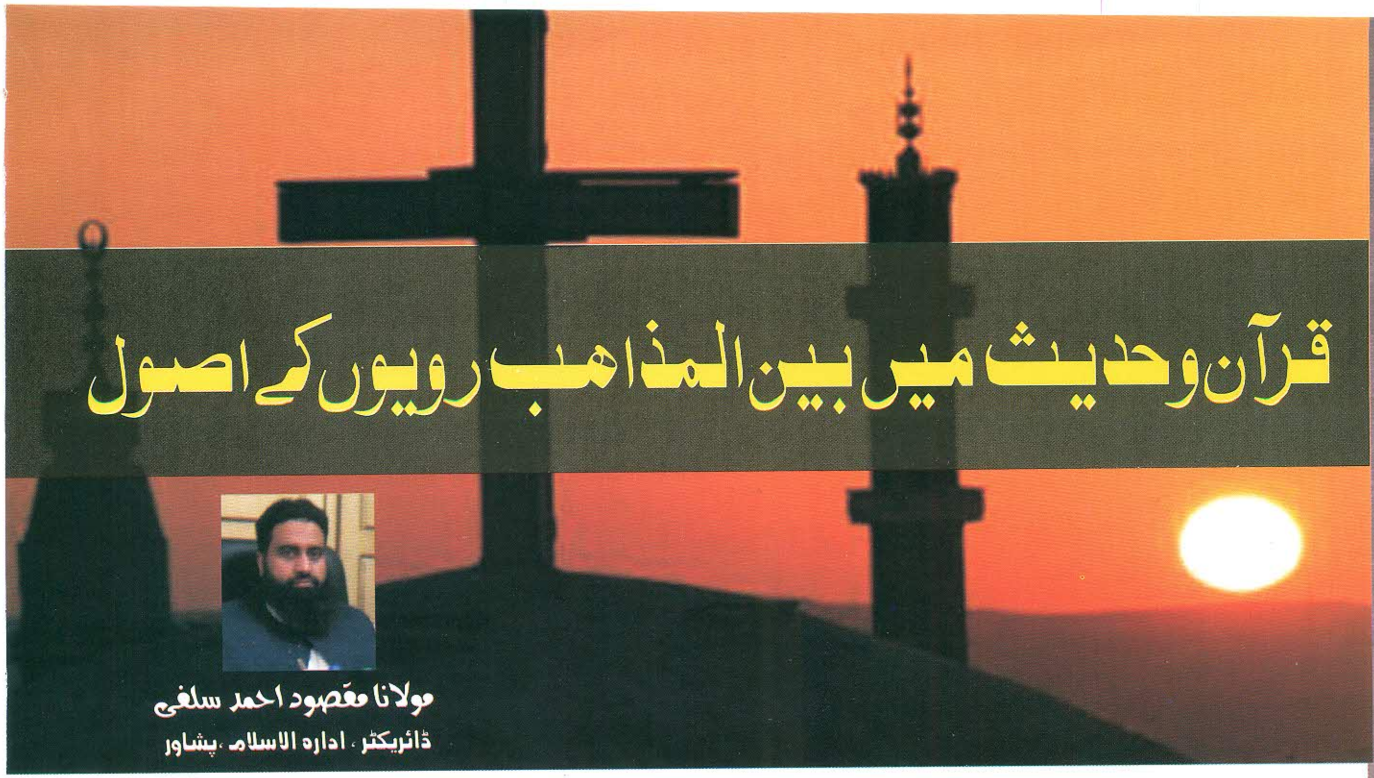

قرآن وحدیث میں بین المذاہب رویوں کے اصول

مولانا مقصود احمد سلفی
ڈائریکٹر، ادارہ الاسلام، پشاور

یہ دور انفارمیشن اور کمیونیکیشن ٹیکنالوجی کا دور ہے جس نے دنیا کو ایک گلوبل ویلج بنا دیا ہے جس کی وجہ سے یہ ایک دوسرے سے جڑے رہنے کا دور بن گیا ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ عہد ایک دوسروں کے لفظوں اور آوازوں سے آشنا ہونے کا دور ہے۔ اس جڑنے اور آشنائی میں جو چیز سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے وہ ہمارے رویوں کی ترتیب اور ادائیگی کی ہے۔ ایک اچھا رویہ ہمیں کئی لوگوں سے جوڑ سکتا ہے اور ایک برا رویہ ہمیں کئی لوگوں سے کاٹنے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ بعض اوقات ہمارا ایک رویہ ہمارے نزدیک بہت اچھا ہوتا ہے لیکن دوسری جانب وہ کئی لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس وقت تو ہمیں احساس نہیں ہوتا لیکن جب وہ رویہ اپنا کام دکھا جاتا ہے اور کئی لوگ ہم سے کٹ کر دور ہو جاتے ہیں تو پھر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ اس دوری کا اصل سبب تو ہم اور ہمارے وہ رویے ہیں۔ جو اپنا کھیل بڑی آسانی سے کھیل گئے ہیں۔

یوں تو ایک معاشرے میں ان رویوں کی نوعیت کی مختلف اقسام ہوتی ہیں اور یہ اپنے اپنے شعبوں سے وابستہ افراد کی سوچ و فکر کی عکاس ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک کاروباری شعبہ سے وابستہ فرد اپنی کاروباری دنیا کا عکاس ہوتا ہے اور شوبز سے تعلق رکھنے والا اپنی دنیا کے رویوں کا عکاس ہوگا۔ کاروباری، شوبز اور دیگر شعبوں سے وابستہ لوگوں کے رویوں میں بھی اکثر و بیشتر اختلاف اور تنازعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ایک محدود دائرے میں رہتے ہوئے ختم ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ ان سب شعبوں کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے۔

لیکن اس گلوبل دنیا میں ایک چیز ایسی ہے کہ جس سے انسانوں کی غالب اکثریت کا تعلق جڑا ہوا ہے اور وہ ہے مذہب۔ اور ایسا بھی نہیں کہ ساری کی ساری انسانیت کا تعلق ایک ہی دین و مذہب سے ہو اور وہ ایک امت واحدہ ہوتی تو پھر کسی جھگڑے کی گنجائش ہی نہ ہوتی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ اس نے مذہب کے معاملے میں تنوع رکھا اور اس مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے رویوں کے بگاڑ، اختلاف اور تنازعہ (conflict) کا دنیا کے حالات پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج جس طریقے سے مختلف مذاہب کے ماننے والے انسان پوری دنیا میں جہاں اکثریت اور اقلیت میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے اور قائم رہنے کے لئے ہمیں قرآن و حدیث میں موجود بین المذاہب رویوں کے اصول سمجھنے ہونگے اور ان پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

بین المذاہب رویوں کے اصول کے لیے آج ہم اپنے مذہب اسلام کے اساسی مراجع قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی آراء آپ کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے یہ بتاتے چلیں کہ اس گلوبلائزیشن کے دور میں، کہ جب دنیا سمٹ کر ایک گلوبل ویلج کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اس میں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو جہاں اور بہت سے نئے پیش آمدہ مسائل سے واسطہ پڑ رہا ہے وہاں اس بات کی بھی ضرورت بڑھ رہی ہے کہ مختلف مذاہب اور تہذیبوں کو ٹکراؤ سے بچانے کے لیے بین المذاہب مکالمہ کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

یہاں میں یہ بات بتاتا چلوں کہ بین المذاہب رویوں کے بارے میں جتنے اعلیٰ و ارفع اصول اسلام نے متعارف کروائے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کو بیان کرنے سے پہلے تھوڑا اسلام کے پیغام عالمگیریت کی وضاحت کرنا چاہوں گا کہ جس کو بنیاد بنا کر ہم بین المذاہب رویوں کو کافی حد تک بہتر بنا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی پہلی سورۃ کی پہلی آیت میں اپنا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

"سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام
جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے"

اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ :

"الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

"اللہ وہ ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے"۔

ابتداء قرآن میں اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنی عالمگیریت کہ "وہ تمام جہانوں کو پالنے والا ہے" کے بیان کرنے کے بعد اپنی کوئی اور صفت بھی بیان کر سکتا تھا مثلاً وہ قہار و جبار کی صفت بھی بیان فرما سکتا تھا لیکن نہیں سب سے پہلے اپنی عالمگیریت کے بعد اگر کوئی صفت بیان کی تو وہ یہ کہ وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اسی طرح جب اپنے محبوب پیغمبر نبی مکرم ﷺ کے متعلق فرمایا تو یہ کہا کہ :

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"

(سورۃ انبیاء ۲۱:۱۰۷)

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپؐ کو مگر تمام جہانوں
کے لیے رحمت بنا کر"۔

یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا نبی مکرم ﷺ کے دائرہ رحمت میں غیر مسلم بھی شامل ہیں کہ نہیں؟ اگر غیر مسلم آپؐ کے دائرہ رحمت میں داخل نہ ہوتے اور یہ رحمت صرف مسلمانوں تک محدود ہوتی تو آیت کے الفاظ رحمۃ للعالمین کی بجائے رحمۃ للمسلمین ہونے چاہیے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کہہ کر سب مسلم و غیر مسلم کو آپؐ کے دائرہ رحمت میں داخل فرما دیا گیا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت محمدؐ پیغمبر امن (The Prophet of Peace) تھے۔ جنہوں نے اپنی حکمت انقلاب سے دنیا سے تشدد (violence) کو ختم کر کے امن کا قیام کیا اور آج بھی آپؐ کی رحمت کا یہ دروازہ کھلا ہے شرط یہ ہے کہ ہم اس میں داخل ہو جائیں۔ اسی طرح رحمت عالمؐ نے اپنے پیروکاروں کو پوری انسانیت کے لیے امن و فلاح کا پیغام ثابت ہونے کے لیے اپنی بہترین تعلیمات چھوڑی ہیں آپؐ نے ایسی ہی ایک تعلیم فرماتے ہوئے فرمایا کہ : " **الخلق عیال اللہ فا حب الخلق الی اللہ من امن الی عیالہ** "(جامع صغیر جلد ۱ بحوالہ طبرانی) "ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور ان میں سے اللہ کے ہاں بہتر وہ ہے جو اللہ کے کنبہ کے ساتھ بہتر سلوک کرے"۔ اب اللہ تعالیٰ کے کنبے میں سے غیر مسلموں کے ساتھ پہلی چیز جو پیدا ہو گی وہ بات چیت ،مکالمہ ہے یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگر دین کو ان کے سامنے پیش کرنا ہے تو ہم نے اس کو ان کے سامنے رحمت بنا کر پیش کرنا ہے نہ کہ زحمت۔ اس لیے اسلام اپنے ماننے والوں کو تعلیم دیتا ہے کہ جب انسانیت سے مکالمہ کی بات آئے تو:

"وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا"(البقرۃ: ۸۳)

"اور لوگوں سے اچھے طریقے سے بات کہنا"۔

یعنی جب بھی خطاب یا بات چیت یا مکالمہ کیا جائے اس میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ بات کرنے والا بات نرم کرے، خوش روئی اور کشادہ دلی ونصیحت کے انداز میں کرے جس سے مخاطب کی خیر خواہی مقصود ہو لیکن اس کا ہر گز یہ مقصد نہیں کہ دین کے معاملہ میں مداہنت یا حق پوشی سے کام لیا جائے کیونکہ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو وقت کے شریر ترین شخص فرعون کے پاس بھجوایا تو ان کو بھی حکم دیا کہ :

"فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى" (طٰہٰ ۲۰:۴۴)

"اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے"۔

یہاں تک ہم نے اسلام کی عالمگیریت کی بات کی ہے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے بارے میں بتایا ہے۔ اب ذرا بین المذاہب مکالمہ اور رویوں کے بارے میں مزید بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اسلام کے رہنما اصولوں کو تھوڑا بیان کرتے چلیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کے معاملے میں کسی بھی قسم کی زبردستی نہیں کہ آپ نے زور یا طاقت جس طرح بھی ہو بات کو منوانا ہے بلکہ فرمایا گیا کہ :

"لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ"(سورۃ البقرۃ:۲۵۶)

"کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے"

اس طرح سورۃ الکہف آیت نمبر ۲۹ میں فرمایا ہے کہ :

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ"

"اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن
تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے
ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے"۔

پھر سورۃ یونس آیت نمبر ۹۹ میں فرمایا:

"وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ"

"اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے
لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا آپ

لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں"۔

اب جب اہل اسلام بات چیت کے عمل سے دوچار ہوں تو عمومی طور پر دو قسم کے مذاہب کے لوگوں سے ان کا واسطہ پڑے گا ان میں سے ایک تو وہ ہیں کہ جن کو پہلے اللہ تعالیٰ کی وحی سے واسطہ پڑ چکا ہے انہوں نے پہلے انبیاء کو مانا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اہل کتاب ہیں، جب ان سے مذہبی تناظر میں بات چیت کرنا مقصود ہو گی تو اس کے لیے اللہ کی کتاب یوں رہنمائی کرتی ہے۔

"وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ" (عنکبوت ۲۹:۴۶)

"اور اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں اور صاف اعلان کر دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے۔ جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی ہے ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں"۔

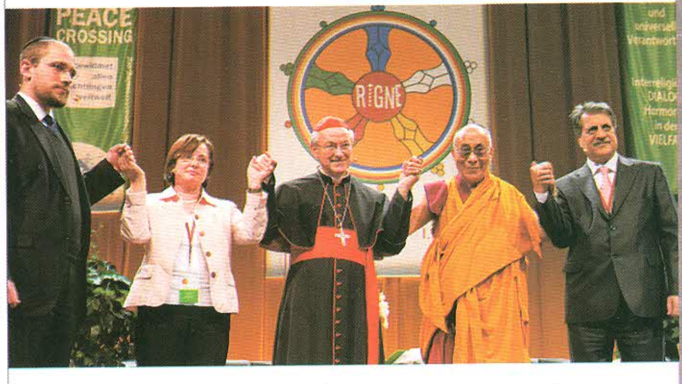

مزید اہل کتاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ اصول عنایت فرمایا ہے کہ ان اہل کتاب سے وحی اور مشترک تعلیمات پر اکٹھا ہوا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" (آل عمران: ۹۳)

"کہہ دیجئے کہ تورات کو لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔"

دوسری جگہ اہل انجیل کو فرمایا گیا کہ:

"وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ" (المائدہ:۴۷)

"اور اہل انجیل کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا اسی کے مطابق حکم کریں"۔

اس سلسلے میں اسوۂ رسول ﷺ سے بھی ہمیں رہنمائی ملتی ہے کہ آپؐ نے اہل کتاب کے ساتھ کیسا رویہ رکھا اس سلسلے میں ملاحظہ ہو بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک متفق علیہ حدیث جس کو بیان کرنے کے بعد ہم اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں: یہودی رسول اللہؐ کے پاس آئے انہوں نے آپؐ کو بتایا کہ ان میں ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا ہے۔ آپؐ نے ان سے دریافت کیا، تم رجم کے بارے میں تورات میں کیا پاتے ہو؟ انہوں نے بتایا (تورات میں ہے کہ) ہم ان کو ذلیل کریں اور انہیں کوڑے لگائیں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا جھوٹ کہتے ہو تورات میں رجم کا حکم ہے چنانچہ وہ تورات لائے انہوں نے اسے کھولا تو ان میں سے ایک شخص نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھا اور آیت کے ماقبل اور مابعد کو پڑھا یعنی رجم کی آیت کو نہ پڑھا عبداللہ بن سلام نے کہا، تم اپنا ہاتھ اٹھاؤ چنانچہ اس نے (ہاتھ) اٹھایا تو وہاں رجم کی آیت تھی اس پر انہوں نے اقرار کیا، اے محمدؐ! یقیناً تورات میں رجم کی آیت ہے لیکن ہم باہم (مشورہ کر کے) اس کو چھپاتے رہے ہیں چنانچہ آپؐ نے ان دونوں کے بارے میں حکم دیا (اور) انہیں رجم کیا گیا۔ (بخاری، مسلم)

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ آپؐ نے جیو اور جینے دو کے حق کے مطابق اہل کتاب کے ساتھ ایسا رویہ اپنا رکھا تھا اور ان کے سامنے ایسا اپنا اخلاق پیش کیا تھا کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپؐ کو حکم ماننے پر مجبور تھے۔ پھر ملاحظہ ہو کہ جب وہ اپنا ایک تنازعہ آپؐ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے ہیں تو آپؐ نے ان کو یہ نہیں کہا کہ ہم اہل اسلام ہیں اور فیصلہ ہم کر رہے ہیں تو یہ ہماری کتاب قرآن کے مطابق ہو گا بلکہ آپؐ نے ان ہی کی مذہبی کتاب تورات کے مطابق ان کے مابین فیصلہ کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا کہ:

"قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ" (آل عمران: ۳:۶۴)

"آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں"۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں ایسی باتوں کو تلاش کرنا چاہیے جو کہ اہل کتاب کی طرف بھی وحی کی گئی ہیں اور اس امت محمدیہ کی طرف بھی وحی کی گئی ہے۔

ایک بات مزید بھی واضح ہوئی کہ وحی الٰہی اہل کتاب کو مشترکیات پر اکٹھا ہونے کی دعوت دیتی ہے۔ اس آیت میں تین بنیادی نکات واضح ہوتے ہیں کہ جس کی بنیاد پر اہل کتاب کے ساتھ اکٹھا ہوا جاسکتا ہے۔ ۱۔ صرف اللہ کی عبادت کرنا۔ ۲۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ ۳۔ اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا مخلوق میں سے کسی کو شریعت سازی کا خدائی مقام نہ دینا وہ کلمہ سواء ہے۔

یہ تینوں کام اگر اہل اسلام بھی نہ کریں تو غلط ہیں اور اگر اہل کتاب بھی نہ کریں تو غلط ہیں۔ لہٰذا اگر وحدت اور اکٹھ قائم کرنا مقصود ہو تو ان پر سختی سے عمل درآمد ضروری اور لازمی ہے۔ دین اسلام ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ کسی بھی مذہب کے بارے میں ذہن سازی میں اس عنصر کا خیال رکھا جائے کہ انفرادی رویوں اور خصلتوں کو اس مذہب کی سوچ و فکر نہ سمجھا جائے اور نہ مانا جائے بلکہ اس کی اصل تعلیمات کو بنیاد بنا کر بات کی جائے کیونکہ اچھے اور برے لوگ ہر مذہب میں ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن فرماتا ہے:

"لَيۡسُوۡا سَوَآءً ‌ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ۔ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ"
(آل عمران: ۱۱۳ تا ۱۱۴)

"یہ سارے کے سارے یکساں نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں یہ نیک بخت لوگوں میں سے ہیں"۔

اسی طرح مزید فرمایا گیا کہ:

"وَمِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًا ؕ" (آل عمران: ۷۵)

"بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنادے تو بھی وہ تجھے واپس کردیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے"۔

نبی علیہ السلام کی سیرت سے ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ جب سب سے پہلے آپؐ پر وحی نازل ہوئی تو اس وقت آپؐ کی نبوت کی گواہی دینے والے اور تسلی دینے والے عیسائی عالم ورقہ بن نوفل تھے۔

صحیح بخاری شریف باب کیف کان بداء الوحی میں روایت ملتی ہے کہ جب آپؐ پر غار حراء میں پہلی وحی نازل ہوئی تو آپؐ گھر سیدہ خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے۔ آپؐ بہت گھبرائے ہوئے تھے آپؐ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ انہوں نے آپؐ کو چادر اوڑھادی یہاں تک کہ خوف جاتا رہا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہؓ کو واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا، یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔ سیدہ خدیجہؓ نے کہا قطعاً نہیں بخدا آپؐ کو اللہ تعالیٰ رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور راہِ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔

اس کے بعد سیدہ خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ دورِ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی میں لکھنا جانتے تھے۔ چنانچہ عبرانی زبان میں حسب توفیق الٰہی انجیل لکھتے تھے۔ اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ ان سے سیدہ خدیجہ نے کہا بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔ ورقہ نے کہا: تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمادیا۔ اس پر ورقہ نے آپؐ سے کہا: یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ نے موسیٰؑ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت توانا ہوتا۔ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپؐ کی قوم آپؐ کو نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا! تو کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہاں! جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لایا جیسا تم لائے ہو تو اس سے

ضرور دشمنی کی گئی اور اگر میں نے تمہارا زمانہ پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہوگئے اور وحی رک گئی ''۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل کتاب میں انصاف پسند نیک پارسا لوگ بھی ہوتے ہیں اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تک ہم بھی تعمیری پہنچ حاصل کریں اور بین المذاہب مسائل کو اچھے طریقے اور سلیقے سے حل کریں۔اس کے علاوہ آپ کی بین المذاہب آہنگی کی اعلیٰ ترین مثال اس معاہدے کی پیش کی جاسکتی ہے کہ جب آپؐ نے ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ایک نئی اسلامی معاشرت کی بنیادیں مدینہ میں رکھ دی تو آپؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات منظم کرنے کی طرف توجہ فرمائی جس سے آپؐ کا مقصد وحید یہ نظر آتا ہے کہ آپؐ پوری انسانیت کو امن و سلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور کرنا چاہتے تھے اور اس کے ساتھ مدینہ اور اس کے گردو پیش کا علاقہ آپؐ ایک وفاقی وحدت میں منظم کرنا چاہتے تھے۔چنانچہ آپؐ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے مسنون قوانین کی بنیاد رکھی کہ جن کا اس تعصب اور نمو پسندی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

اس سلسلے میں آپؐ نے مدینے کے سب سے قریب ترین پڑوس یہود سے ایسا معاہدہ کیا کہ جس میں ان کو دین و مذہب اور جان و مال سے متعلق آزادی دی گئی تھی اور جلاوطنی، ضبطی جائیداد یا جھگڑے و مار دھاڑ کی سیاست کا کوئی رخ اختیار نہیں کیا گیا تھا۔یہاں ہم اس معاہدے کی دفعات ہدیہ قارئین پیش کر رہے ہیں تاکہ وہ بین المذاہب رویوں کے سلسلے میں اپنی ذہن سازی کر سکیں۔

۱۔ بنوعوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت ہوں گے۔یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔خود ان کا بھی یہی حق ہوگا اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی اور بنوعوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

۲۔ یہود اپنے اخراجات کے ذمے دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

۳۔ اور جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے گی سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے۔

۴۔ اور اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔

۵۔ کوئی آدمی اپنے حلف کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔

۶۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

۷۔ جب تک جنگ برپا رہے گی یہودی بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

۸۔ اس معاہدے کے سارے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت و خون حرام ہوگا۔

۹۔ اس معاہدے کے فریقوں میں کوئی نئی بات یا جھگڑا برپا ہو جائے جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ عزوجل اور محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔

۱۰۔ قریش اور اس کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۱۔ جو کوئی یثرب پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے کے لیے سب باہم تعاون کریں گے اور ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کرے گا۔

۱۲۔ یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑ نہ بنے گا۔

(سیرت ابن ہشام)

پھر سورہ النحل آیت نمبر ۱۲۵ میں فرمایا ہے کہ :

'' اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ''

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے''۔

یہاں تک تو اہل کتاب کے بارے میں بات چیت، مکالمہ، معاملات اور دعوت کی بات تھی اب یہاں پر دیگر مذاہب کی بات کرتے ہیں جو کہ اہل کتاب سے ہٹ کر مذاہب ہیں یعنی وہ مذاہب کہ جو اللہ کے ماسوا بت پرستی اور شرک میں مبتلا ہیں ،ان کے بارے میں سورہ الانعام آیت نمبر ۱۰۸ میں فرمایا کہ :

''وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔''

''اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ جہالت میں حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر بیٹھیں گے''۔

اس آیت سے دو اہم اصول واضح ہوتے ہیں پہلا یہ کہ دوسروں کے مذہبی جذبات کا خیال رکھنا ہے اور دوسرا یہ کہ ان کے مذہبی شخصیات کا احترام کرنا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ بحث و مباحثہ میں دیگر اقوام کے ساتھ عدل و انصاف کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔سورۃ المائدہ آیت ۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى "

"اے ایمان والو! اللہ کی خاطر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشتعل نہ کر دے کہ تم عدل کو چھوڑ دو۔ عدل کیا کرو، یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے"۔

اس آیت کا شان نزول اس طرح ہے کہ کسی ایک نام نہاد منافق مسلمان نے کسی مسلمان کی ایک زرہ چرالی اور ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا۔ مالک یہ مقدمہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں گیا۔ چور (جو حقیقتاً منافق تھا) کی سوچ ہی یہی تھی کہ میں چونکہ مسلمان ہوں اس لیے یہودی کے مقابلے میں یقیناً آپؐ میری حمایت کریں گے پھر اس چور اور اس کے خاندان والوں نے اسی قبائلی عصبیت کی بناء پر اس کا ساتھ دیا اور قسمیں بھی کھائیں کہ ہم اس چوری کے قصہ میں بالکل بے تعلق ہیں اور قریب تھا کہ آپؐ یہودی کے خلاف اور اس منافق کے حق میں فیصلہ بھی دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو حقیقی صورت سے مطلع فرما دیا۔ اس آیت میں تمام مسلمانوں کو ایک جامع ہدایت دی گئی ہے کہ جس شخص کے حق میں تمہیں گواہی دینا پڑے، گواہی بالکل ٹھیک ٹھیک دیا کرو خواہ تمہارا دوست ہو یا دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ تم میں عدل وانصاف اور تقویٰ پیدا کرنے والے اسباب میں سے یہ ایک مؤثر ترین سبب ہے۔

یہاں اس واقعہ سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ نام نہاد منافق مسلمان کے مقابلے میں حق پر ہونے کی وجہ سے نبی علیہ السلام نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے کر عدل وانصاف کی اعلیٰ روایت قائم کی ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ رویہ کے بارے میں عدل وانصاف کا ایک بہترین اصول دیا ہے۔ غرض یہ کہ اسلام کے تمام اصول و قواعد جو کہ دیگر مذاہب کے بارے میں ہیں، اخلاق کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہیں اور جن پر عمل کر کے ہم دنیا سے بدامنی، تشدد، تباہی و بربادی کا خاتمہ کر کے امن کا بول بالا کر سکتے ہیں اور بین المذاہب رویوں کو اعلیٰ وارفع منازل پر استوار کر کے بین المذاہب تعلقات کو مضبوط کر سکتے ہیں۔